دین میں سُنّتِ رسولؐ کی اہمیّت

از

حافظ ابنِ قیمؒ

ترجمہ عبدالحمید صدیقی

یہ مضمون حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تصنیف "اعلام الموقعین" کے جزءِ اوّل کا ترجمہ ہے۔ مضمون کا ابتدائی حصّہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

(مترجم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ (النساء۔ ۵۹)

اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اس آیت میں یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہے کہ اطیعوا کا لفظ جس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے حق میں ارشاد فرمایا ہے بالکل اسی طرح اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کا حضور سرورِ کائنات کے لیے الگ استعمال کرنا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ حضور سرورِ دو عالم کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے۔ اس اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ خواہ وہ قرآن مجید میں موجود ہو یا نہ۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابِ اللہ سے نوازا ہے بالکل اسی طرح انہیں اُس جیسی ایک اور چیز بھی عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولی الامر

کے لیے اطیعوا کا الگ لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اسے یہاں حذف کر دیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط نہیں بلکہ اطاعتِ رسول کے تابع ہے۔ لوگ اگر اولی الامر کی اطاعت کرنے کے پابند ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ خود لوگوں سے اپنی اطاعت کا تقاضا کر سکتے ہیں بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اُن کی اطاعت چونکہ حضور کی اطاعت کے تابع ہوتی ہے اس لیے وہ درحقیقت حضور کی اطاعت ہی ہوتی ہے۔ صاحبِ امر جو حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں دیں اُس کی پابندی ضروری ہے۔ اور جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے آزاد ہو کر، یا اُس کے خلاف دیا جائے اُس میں نہ سمع ہے نہ اطاعت۔

حضور سرورِ دو عالم نے اس سلسلہ میں خود ارشاد فرمایا ہے:

لا طاعة لمخلوقٍ فی معصية الخالق۔ — کسی مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں یہ اصول بھی بیان فرما دیا:

انما الطاعة فی المعروف — اطاعت صرف معروف ہی میں ہے

اولی الامر کے بارے میں اس امر کی تصریح بھی فرما دی:

مَن امرکم منهم بمعصية الله فلا سمع له ولا طاعة۔ — ان میں سے جو بھی تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے، اُس کے لیے نہ سمع ہے نہ اطاعت۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ان جانثاروں کا ذکر کیا گیا جنہوں نے امیر کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو شعلوں کی نذر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے اور وہاں سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت نہ پیدا ہوتی۔ درآنحالیکہ اُن کا آگ میں کودنا امیر کے حکم کے عین مطابق تھا[1] اور اس حکم کی

---

[1] حافظ ابن قیم رح نے اس واقعہ کی تفصیل اپنی دوسری تصنیف زاد المعاد میں دو مختلف مقامات پر بیان کی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابنِ عباسؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ یہ آیت — یا ایها الذین امنوا (۵۹:۴)

تعمیل وہ اپنے لیے دینی اعتبار سے نہایت ضروری قرار دیتے تھے۔ حضور سرورِ دو عالم نے جوان کو یہ وعید سنائی تھی کہ وہ اگر ایک مرتبہ آگ کے اندر گھس جاتے تو پھر اس سے انہیں نجات نہ ملتی تو اس کی وجہ یہ ہے انہوں نے امیر کے اس حکم کے سارے مضمرات کو احکام الٰہی کی روشنی میں پرکھنے کی پوری طرح کوشش نہ کی اور اولی الامر کے کہنے پر اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اطاعت کے دائرہ کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس میں وہ چیز بھی آگئی جو شارع علیہ السلام کی منشا اور مرضی کے یکسر منافی تھی بلکہ جس کے خلاف حضور سرورِ دو عالم کے صریح احکام موجود تھے۔ انہوں نے ان احکام کو معلوم کرنے کی پوری طرح سعی نہ کی۔ اور بغیر کسی بیّن اور واضح دلیل کے اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنے پر آمادہ کر لیا جب اتنی معمولی سی غلطی، جس میں نہ تو نیّت کا فتور ہے اور نہ ارادہ کی خرابی بلکہ جس کے پیچھے اطاعت امر کا ایک نہایت نیک جذبہ کارفرما ہے، انسان کو جہنّمی بنا سکتی ہے تو پھر ان لوگوں کے انجام کا تصوّر کیجیے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنے ہر اس معاملے کو جس میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے یا نزاع کی کوئی صورت نکل آئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) عبداللہ بن حذافۃ السہمی کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ حضور سرور کائنات نے انہیں انصار کے ایک گروہ پر امیر مقرر کر کے ایک مہم پر روانہ کیا۔ چلتے ہوئے مجاہدین سے فرمایا: کہ تم اس کی تابعداری کرنا۔ لشکریوں نے عبداللہ بن حذافہ کو کسی بات پر ناراض کر دیا اور انہوں نے انہیں لکڑیاں جمع کرنے اور آگ جلانے کا حکم دیا۔ پھر کہا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا۔ انہوں نے کہا "ہاں" حضور نے واقعی ہمیں اس امر کی تاکید فرمائی تھی۔ اس پر عبداللہ نے کہا کہ تم آگ میں کود جاؤ۔ یہ حکم سُن کر سب متحیّر ہوئے اور ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر کہنے لگے "آگ کے خوف سے بھاگ کر تو ہم نے حضور سرورِ دو عالم کے دامن میں پناہ لی ہے" یہ بات سُن کر حضرت عبداللہؓ کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔ جب یہ ماجرا حضورؐ کو سُنایا گیا تو آپ نے یہ الفاظ فرمائے: اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر وہاں سے نکل نہ سکتے۔ اطاعت تو صرف معروف ہی میں ہے۔

لوٹا دیں۔ اسی میں اُن کی دنیوی فلاح اور اُخروی نجات کا راز مضمر ہے۔ یہ آیت فکر و عمل کے بہت سے گوشوں کو بے نقاب کرتی ہے۔

(۱) اہلِ ایمان کے مابین بھی اختلاف کی راہیں نکل سکتی ہیں لیکن یہ اختلاف اُنہیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

(۲) صحابہ کرامؓ تمام اُمت میں سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں اور ایمان کی پختگی میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ اس رفعت اور عظمت کے باوجود اُن میں بھی کبھی کبھی مقام "مَن و تُو" آہی جاتے تھے۔ لیکن اُن کا یہ اختلاف جزئیات اور فروعات ہی میں تھا۔ وہ دین کے اساسی معاملات میں سب متفق تھے۔ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور افعال کے بارے میں وہی باتیں کہتے جن کی تائید قرآن و سنت کرتے ہیں۔ جن امور کی اللہ اور اُس کے رسول نے تصریح فرمادی ہے وہ ان میں کسی امر کی تاویل کو گوارا نہ کرتے، انہیں الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے، یا انہیں موقع و محل سے الگ کر کے اپنی ذہنی اپچ کے مطابق نئے نئے معانی پہنانے کی بھی عادت نہ تھی۔ اُن کی سعید روحیں اس بات کو کبھی گوارا نہ کرتی تھیں کہ ہر حقیقت کو اپنی منشا اور مرضی کے مطابق اعجاز کا رنگ دے کر اپنے دل پسند نظریہ کے مطابق موڑ لیا جائے۔ انہوں نے اُن سارے حقائق کو جو انہیں قرآن و سنت کی شکل میں ملے تھے جُوں کا تُوں قبول کیا اور ان میں کہیں بھی اپنی ذاتی خواہش کو اثر انداز نہ ہونے دیا۔ ان نفوسِ قدسی کا طرزِ عمل اُن نفس کے بندوں سے ہمیشہ مختلف رہا ہے جنہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ اور جس حصے میں اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کا سامان دیکھا اُسے اپنا لیا اور جس میں اپنے مفادات کو خطرہ نظر آیا اُسے بلا تکلف رد کر دیا۔

اہلِ ایمان کا اختلاف اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا پرستوں کے اختلاف سے بہر حال ایک الگ چیز ہے۔ اہلِ ایمان کا باہمی اختلاف انہیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا کیونکہ ان میں اختلاف کے باوجود ایک قوتِ رابطہ ایسی موجود ہوتی ہے جو انہیں فکر و عمل کے اعتبار سے ہم آہنگی عطا کرتی ہے۔ اہلِ ایمان کے درمیان جب بھی نزاع کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے تو نفس

کے محرکات اختلاف کی خلیج کو وسیع نہیں کرتے بلکہ قرآن و سنت کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے اُن کے درمیان اتحاد و اتفاق کی بے شمار صورتیں نکل آتی ہیں۔ ہاں اگر وہ اپنے اختلافی امور میں خدا اور اُس کے رسولؐ کو حکم بنانے پر آمادہ نہ ہوں تو پھر اُن کا شمار بھی اُسی زمرے میں ہو گا جس میں کہ ایمان سے محروم لوگوں کا ہوتا ہے، جیسے کہ آیت (فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ) میں تصریح موجود ہے۔ لوگوں کا صاحب ایمان ہونا اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ اپنے جملہ امور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دیں۔ اُن کے ایماندار ہونے کے لیے یہ ایک بنیادی شرط ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو حکم کسی شرط سے مشروط ہو وہ شرط کے ختم ہو جانے سے خود بخود ساقط ہو جاتا ہے۔

پھر مندرجہ بالا آیت میں شیءٍ کا استعمال جو لغت کے اعتبار سے اسم نکرہ ہے اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ نبوی تمام دینی امور پر محیط ہیں خواہ اُن کا تعلق حیاتِ انسانی کے بنیادی مسائل سے ہو یا روزمرہ کے معاملات سے خواہ وہ انسان کی خارجی زندگی سے بحث کرتے ہوں یا انسان کی داخلی کیفیات سے۔ اگر کتابِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ انسان کی پوری زندگی پر حاوی نہ ہوتیں تو پھر اللہ تعالیٰ کبھی یہ حکم نہ فرماتے کہ تمہارے اندر جب بھی کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لیے تم اللہ اور اُس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ . . . . اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سنت چونکہ حیاتِ انسانی کے سارے گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اسی لیے مومنوں کو اپنے جملہ معاملات خدا اور اُس کے رسولؐ کی بارگاہ میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اُن کے متعلق انہیں صحیح صحیح فیصلہ دیا جا سکے۔ شیءٍ کا بطور نکرہ استعمال شریعت کی ہمہ گیری پر دلالت کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان صاف طور پر اس امر کی صراحت کر رہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف اپنے اختلافی امور کو لوٹانے کا مقصد یہ ہے کہ اُن کے بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ حاصل کیا

جائے اور رسول اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ جب تک اس دنیا میں ہمارے درمیان موجود رہے اُس وقت تک انہیں اپنے ہر معاملہ کا حکم بنایا جائے اور حضورؐ سرورِ کائنات کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب آپ کی حیاتِ طیبہ کے سارے واقعات اور آپ کے سارے ارشادات جو سنت کی شکل میں محفوظ ہیں اور تواتر کیساتھ ایک بیش قیمت ورثہ کی حیثیت سے ہم تک پہنچے ہیں اُن کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور اس بارگاہِ اقدس سے جو فیصلہ بھی صادر ہو جائے اُسے بلا چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ قرآن مجید کی ان تصریحات پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔

قرآن وسنت کو اپنے جملہ معاملات کا حکم بنانا موجبات ایمان میں سے ہے اگر کوئی شخص علم و عمل کے ان دونوں سرچشموں کو یہ حاکمانہ حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہوتا تو پھر اُس کا دعوئے ایمان یکسر بے بنیاد ہے۔ ایمان اور خدا اور اُس کے رسولؐ کی غیر مشروط اطاعت دونوں لازم ملزوم ہیں اگر لازم نہیں تو پھر ملزوم کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہاں تو خصوصیت کے ساتھ دونوں جانب سے تلازم ہے۔

پھر باری تعالیٰ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ قرآن وسنت کو آخری سند مان کر اپنے اختلافات کا فیصلہ کرنا ہی دنیا اور آخرت میں فلاح وکامرانی کی ضمانت ہے۔ اس کے بعد اس امر کی بھی صراحت فرما دی کہ جو لوگ اپنے جملہ معاملات میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کو آخری اتھارٹی تسلیم نہیں کرتے اور قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے کچھ دوسرے افکار ونظریات کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ درحقیقت اسلام کے زبانی دعوؤں کے باوجود طاغوت کے بندے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اسے ہی اپنا حکم مان لیا ہے۔ طاغوت سے مراد تمام ایسے انسان یا ادارے ہیں جن کی لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے منہ موڑ کر اطاعت اور پیروی کرتے ہیں۔ یہ لفظ معانی اور مفہوم کے اعتبار سے بڑا وسیع ہے اور اس کے تحت وہ سارے افراد اور اُن کے باطل افکار ونظریات آجاتے ہیں جنہیں لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام کے علی الرغم فیصلے کے لیے آخری سند تسلیم کرتے ہیں یا جن کے سامنے اللہ کو چھوڑ کر سر نیاز خم کیا جاتا ہے یا جن کی اللہ اور اُس کے رسولؐ سے بے نیاز ہو کر اطاعت اور پیروی کی جاتی ہے۔

ان سب لوگوں کی گردنوں میں طاغوت کی غلامی کا قلادہ پڑا ہوا ہے۔ اگر آپ صورتِ حال کا ذرا گہرائی میں اُتر کر مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانوں کی عظیم اکثریت نے اپنے خالق و مالک سے عبودیت کا رشتہ توڑ کر طاغوت کی عبادت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ یہ لوگ خدا کے وجود کا اقرار بھی کرتے ہیں، نبی آخرالزماںؐ کی رسالت پر ایمان لانے کے دعویدار بھی ہیں لیکن ان کے دعووں میں کوئی صداقت نہیں، کیونکہ عملی اعتبار سے اُنہوں نے طاغوت کی بندگی اختیار کر لی ہے۔ اُن کی زندگی میں جب کبھی فیصلے کا مرحلہ آتا ہے تو وہ خدا اور اُس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کی بجا طاغوت کی چوکھٹ پر گر جاتے ہیں۔ ان بدنصیب لوگوں نے راہِ ہدایت کھو دی ہے۔ وہ یقیناً اُس روش پر گامزن نہیں جس پر چل کر انسان دُنیا اور آخرت میں فلاح و کامرانی حاصل کرتا ہے ـــ وہ روشنی جس پر حضور سرورِ دو عالم کے جانثار رفقا کار اور اُن کے متبعین اور اُمت کے دوسرے پاکباز لوگ گامزن رہے ہیں۔ طاغوت پرست .... نصب العین اور مقصد کے اعتبار سے اُن حضرات سے بالکل الگ ہیں جنہوں نے خالقِ کائنات کو اپنا مالک اور رازق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی اور مطاع تسلیم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان گم کردہ راہ لوگوں کے اندازِ فکر اور اُن کے طرزِ عمل کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب اُن سے اِس چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی طرف رجوع کریں تو وہ اس مطالبہ سے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ اور حق و صداقت کے اس راستہ کی طرف پکارنے والے کی آواز کو سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ وہ خدا اور اُس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے دوسرے لوگوں کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ ظالم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت پر راضی نہیں ہوتے بلکہ اُن کا دل طاغوت کی غلامی اختیار کرنے پر فرحت محسوس کرتا ہے۔ اور نزع اور اختلاف کی صورت میں طاغوت کے فیصلے پر ہی یہ بدنصیب اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ اس گمراہ کن روش کی وجہ سے جب اُن کی عقل پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑتی ہے، اُن کا فہم و ادراک ماؤف ہوتا ہے، اُن کے افکار و نظریات پر باطل کے اندھیرے چھا جاتے ہیں۔

اور اُن کے جسم بیکار اور اُن کے مال رائگاں ہونا شروع ہوتے ہیں۔ تو پھر وہ بڑے معصومانہ انداز میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اللہ اور اُس کے رسول سے اعراض کسی فسادِ نیّت پر مبنی نہیں بلکہ ہمارے ارادے نیک اور نفسانیت کی ہر آلائش سے یکسر پاک ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اتفاق و اتحاد پیدا ہو اور فکر و عمل کے لیے کوئی ایسی بیچ کی راہ نکال لی جائے جس پر احکام رسول ﷺ کے ماننے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے دونوں متفق و متحد ہو سکیں۔ وہ اپنے زعم میں خیر و فلاح کے علمبردار بنتے ہیں۔ شریعت کے معاملے میں یہ اندازِ فکر انتہائی افسوسناک ہے۔ ایمان کا تو بنیادی تقاضا یہ ہے کہ صاحبِ ایمان ہر اُس چیز کے خلاف صف آرا ہو جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ شریعت کے مخالف ہے خواہ اُس چیز کا تعلق طریقت و معرفت سے ہو، عقیدہ و عمل سے یا سیاست و معاشرت سے۔ باطل افکار و اعمال کے لیے دل میں نفرت کا احساس اور پھر انہیں مٹانے کے لیے عملی جدوجہد ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے۔ وہ لوگ جو حق و باطل کی آمیزش کر کے ہر گروہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا ایمان خطرے میں ہے۔ حمیت دینی ایمان کا ایک لازمی خاصہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق کی پیروی کی توفیق صرف اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔

پھر خداوند تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے:

لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء - ۹)	یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر بھی اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔

اس آیت میں نزاعی امور میں حضور سرورِ کائنات کی غیر مشروط تحکیم کو ہی ایمان کی ضروری شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ مسلمانوں کو یہ بات بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ وہ حضور کے بارے میں تسلیم و رضا کا ایک ایسا انداز اختیار کریں جس کی وجہ سے حضورؐ کے فیصلے اُن کے لیے دل گرفتگی کی بجائے سکون اور اطمینان کا موجب ہوں۔ قلب و دماغ کے اندر یہ کیفیت صرف اُسی صورت میں پیدا

ہو سکتی ہے جب حضور کی ذات کے ساتھ غیر معمولی محبت و عقیدت ہو اور آپ کے احکام اور ارشادات پر غیر معمولی یقین اور اعتماد ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر یہ حکم صادر فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب۔ رکوع ۴)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر کی تصریح کردی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے کے بعد اگر کوئی مسلمان اپنی خواہش نفس سے فیصلہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت گمراہی کو دعوت دیتا ہے۔

پھر سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کو اس امر کی تاکید کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (رکوع ۔۱)

اے ایمان والو اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے سب اعمال کو) دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کے بارے میں اپنی رائے ظاہر نہ فرمادیں تم اس وقت تک خاموش رہا کرو۔ تمہیں حضورؐ کے حکم کا ہر معاملہ میں انتظار کرنا چاہیئے۔ اور انہیں کے دیے ہوئے فتووں کی روشنی میں اپنے معاملات طے کرنے چاہئیں۔ ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے رسولؐ کے حق میں اپنی جملہ خود مختاریوں سے دستبردار ہو چکے ہو۔ تمہارا کام اب حضور کے فیصلوں پر عمل کرنا ہے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کو پسِ پشت ڈال کر

تم جو قدم بھی اٹھاؤ گے وہ تمہیں بربادی کی طرف دھکیل دیگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بلیغانہ بات ارشاد فرمائی:

ایک مسلمان کو کتاب اور سنت رسولؐ کے خلاف قطعاً زبان نہ کھولنی چاہیئے۔ مسلمانوں کو اس بات کی ممانعت کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے رسول کے فیصلے سے پہلے کوئی فیصلہ دینے کی جسارت کریں۔

یہ مختصر قول جو درحقیقت مندرجہ بالا آیت کی نہایت عمدہ تفسیر ہے اس بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ چیز ایمان کے یکسر منافی ہے کہ کوئی شخص رسول خدا کی محبت اور اطاعت کا دعوٰے بھی کرے اور پھر اپنے دل پسند افکار و اعمال کو حضورؐ کے ارشادات و افعال پر مقدّم رکھنے کی مذموم کوشش کرے۔

اس ضمن میں اللہ تعالےٰ نے یہ حکم بھی دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔	اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ہی اُن سے ایسی اونچی آواز میں گفتگو کیا کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہاری بے خبری میں ہی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں۔
(الحجرات رکوع ۱)	

جس بزرگ و برتر ذات کے بارے میں قرآن حکیم نے صریحاً یہ حکم فرمایا ہے کہ تم اُس کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دو۔ اور اُس کی بارگاہِ اقدس میں جب بھی گفتگو کرو تو یہ امر ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ تم کسی عام انسان سے محو تکلم نہیں ہو بلکہ ایک ایسی مقدس ذات کے سامنے لب کشائی کر رہے ہو جو انتہائی واجب الاحترام اور قابلِ تعظیم ہے اور جس کے حضور میں آواز کی ذرا سی شوخی اعمال کی بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ اگر طرزِ تکلم کی معمولی سی بے احتیاطی سے اعمال ضائع ہو سکتے ہیں تو پھر اُن لوگوں کا حشر کیا ہو گا جو اپنی آراء، اپنے افکار و نظریات، اپنے فہم و

تدبّر اپنے ذوق کو حضور کے ارشاداتِ عالیہ پر مقدم رکھتے ہیں۔ کیا ان بدنصیب لوگوں کی اس غلط روش کی وجہ سے اُن کے سارے اعمال دریا برد نہ ہو جائیں گے۔

پھر قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ	مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور رسول کو دل سے مانیں، اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔

(سورۂ نور رکوع ۹)

قرآن مجید نے حضورؐ سرورِ دو عالم کے معاملے میں اس قدر احتیاط کی تلقین کی ہے کہ اُن کی بارگاہ سے جاتے ہوئے یا سفر میں اُن سے الگ ہوتے ہوئے اُن سے باقاعدہ اجازت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسے مقتضیاتِ ایمان میں سے ایک اہم تقاضا شمار کیا ہے۔ جس دین کا حضورؐ کے بارے میں احساس اتنا نازک ہو اُس میں یہ بات کب گوارا کی جا سکتی ہے کہ لوگ حضورؐ کی منشا اور مرضی کے بغیر جس طرح چاہیں عقل کے گھوڑے دوڑائیں۔ اور اُن وادیوں میں بھٹکتے پھریں جن میں قدم رکھنے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے جس علم سے تمہیں سرفراز فرمایا ہے اُس سے تمہیں کبھی محروم نہ کریگا البتہ علماء کی موت سے وہ علم تم سے چھین لیا جائے گا۔ پھر جہلا باقی رہ جائیں گے۔ اور عوام مسائل دریافت کرنے کے لیے انہیں کی طرف رجوع کریں گے اور یہ جاہل اپنی ذاتی رائے کے مطابق فتوے دیں گے۔ یہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈالیں گے۔ ایک دوسری سند سے اسی حقیقت کو الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم کو محو نہیں کرے گا البتہ علماء کی موت سے علم ان سے چھین لیا جائے گا۔ جب علماء باقی نہ رہیں گے تو پھر قیادت اور سیادت کا منصب جہلاء

کے ہاتھ میں آئے گا جو اپنی منشا کے مطابق فیصلے دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور اپنے متبعین کو بھی گمراہ کریں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک جب عبداللہ بن عمروؓ کی یہ روایت پہنچی تو آپ نے اپنے بھانجے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> اے میری بہن کے لختِ جگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں، تم اُن سے مل کر اس حدیث کے متعلق دریافت کرو، کیونکہ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور فیض حاصل کیا ہے۔

چنانچہ عروہؓ بن الزبیر تعمیل ارشاد میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ملے اور اُن سے بہت سے مسائل دریافت کیے جن کے بارے میں وہ حضور سرورِ کائنات کے امین تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جہاں دوسرے تصریح طلب امور پر بحث کی وہاں یہ بھی فرمایا:

> " اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو علم کی نعمت سے نوازتا ہے تو انہیں اس سے محروم نہیں کرتا البتہ جب علمائے ربانی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو پھر اُن کے ساتھ علم بھی ناپید ہو جاتا ہے۔ اور مسندِ افتاء ایسے جاہلوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو علم کے بغیر فتویٰ دیتے ہیں، وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔"

عروہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جا کر بیان کی تو انہیں یہ بات بہت بڑی معلوم ہوئی اور پھر کہا:

> کیا عبداللہ بن عمروؓ نے تم سے یہ فرمایا ہے کہ اُنھوں نے یہ بات حضور سرورِ دوعالم سے سُنی ہے؟

عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں اُنہوں نے مجھ سے یہی کہا ہے۔

جب اگلے سال حج کا موسم آیا تو پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عروہ بن الزبیرؓ سے ارشاد فرمایا:

"اس مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پھر حج کے لیئے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ تم اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے اس حدیث کے بارے میں پھر دریافت کرو۔"

عروہ اپنی خالہ محترمہ کے ارشاد کے مطابق اب کی بار پھر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔ اُنھوں نے اس مرتبہ بھی بعینہٖ وہی الفاظ کہے جو اُنہوں نے گذشتہ سال فرمائے تھے۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے جب اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاکر بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے واقعی بالکل سچ کہا ہے اور اس میں اُنہوں نے کسی ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں کی۔"

حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"میری اُمت ستر سے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سب سے زیادہ فتنے میں وہ فرقہ مبتلا ہوگا جو دینی امور میں اٹکل پچو سے کام لیگا۔ وہ چیزیں جو اللہ نے حرام کی ہیں ان کی حلت کا فتوے دیگا۔ اور جن چیزوں کو اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے وہ ان کی حرمت کا دعویدار ہوگا۔"

ابو عمر بن عبدالبر نے اسی حدیث کی صراحت کرتے ہوئے کہا ہے:

"یہ حدیث اُن لوگوں سے بحث کرتی ہے جو دینی امور میں قرآن و سنت کو اساس تسلیم کرنے کی بجائے اپنی عقلِ تمام کو رہنما بناتے ہیں اور اسی کے مطابق دین کے اندر کلام کرتے ہیں۔"

حلال چیزوں کی حلت قرآن و سنت ہی سے اخذ کی جاسکتی ہے اور حرام کی حرمت کے بارے میں قرآن و حدیث ہی آخری سند ہیں جس شخص کی رسائی رشد و ہدایت کے ان دونوں سرچشموں تک نہ ہوگی وہ بہرحال اپنی ذاتی رائے ہی سے ان اہم امور کے بارے میں فیصلے دیگا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوگا

اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ اس کے برعکس جو شخص فروعات کو قرآن و سنت کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کرے گا وہ حق و صداقت کے راستے پر گامزن ہو گا۔

باقی رہے وہ امور جن کے بارے میں قرآن و سنت دونوں خاموش ہیں سو ان کے متعلق اگر کوئی شخص اپنے فہم کو استعمال کر کے کوئی رائے دیتا ہے تو وہ رائے مذموم نہیں۔ لیکن اس معاملے میں بھی یہ احتیاط ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اس کی یہ رائے دین کے مزاج سے ہم آہنگ ہونی چاہیئے۔[1]

باقی رہے وہ معاملات جن کے متعلق قرآن و سنت کی تصریحات موجود ہیں ان میں کسی شخص کی ذاتی رائے کو کوئی دخل حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی فتنہ پرداز قرآن و سنت کے واضح احکام کے باوجود اپنی رائے کو ہی ترجیح دینے پر مصر ہے تو اسے اس وعید پر غور کرنا چاہیئے جس کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔

مسند عبید بن حمید میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح الفاظ میں یہ فرمایا:

"جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کلام کرے اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"

---

[1] یہ ہمارے اپنے الفاظ ہیں (مترجم)